بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش آغاز

❁ خلیج میں تاریخ کی ہولناک اور تباہ کن جنگ
❁ حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب کا سانحہ ارتحال
❁ حضرت مولانا محمد ایثار القاسمی کی شہادت

بالآخر مشرق وسطیٰ کے تمام ممالک تاریخ کی سب سے زیادہ ہولناک اور تباہ کن جنگ کے جہنم میں جاگرے۔ عراق اور کویت پر ہزاروں ٹن دہکتا ہوا لوہا اور بارود برس چکا۔ سعودی ٹھکانوں پر عراقی میزائل برس رہے ہیں۔ پوری دنیا اور عالم انسانیت کا ضمیر اس بہیمیت، درندگی، سفاکی اور بربادی پر چیخ رہا ہے۔ بیسویں صدی کی آخری دہائی میں جب دنیا دو عظیم عالمگیر جنگوں سے گذر چکی ہے تیسری جہاں سوز جنگ کے بادل امنڈ آئے ہیں اور ایک قیامت خیز طوفان برپا ہوگیا ہے۔

امریکہ اسرائیل اور یورپ نے مل کر عالم اسلام کے خلاف جو گہری سازش تیار کی ہے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا فیصلہ کیا جاچکا ہے۔ مسلمان ایک زبردست تباہی سے گذر رہے ہیں۔ عراق، کویت، سعودی عرب اور دیگر عرب حکمرانوں کو درست فیصلوں کا قدرت نے جو وقت دیا تھا وہ بدقسمتی سے ضائع کردیا گیا ہے۔ آگے جو کچھ ہونا ہے اس کا تصور بڑا بھیانک اور کرب انگیز ہے صورت حال جو کچھ بھی ہو صدام حسین سمیت تمام عرب سربراہ اس کے ذمہ دار ہیں۔ امریکہ اور یورپ کی تمام افواج نے کویت کی بحالی کی بجائے اسرائیل کے تحفظ کو اپنا مقصد اول قرار دے رکھا ہے اور اسی مقصد اور حصول کی خاطر امریکہ و یورپ نے اپنے شکاری کتے (اسرائیل) کو تل ابیب کے کھونٹے سے باندھ رکھا ہے۔ عراق کی فوجی قوت عالم اسلام کا اثاثہ تھا۔ اس کی تباہی میں اسرائیل کی عافیت اور مسلم دنیا کی عدم سلامتی مضمر ہے۔ مسلمان کو اس وقت جو نکبت و رسوائی اور سزا ملی ہے اس کے اسباب غیبی اخلاقی، دینی اور روحانی ہیں تو ان کا علاج بھی دینی اور روحانی اور خالص اسلامی نقطۂ نظر سے تجویز ہونا چاہیئے۔ دراصل خود مسلمانوں نے اسلام پر ظلم ستم ڈھایا مذہب کو کارگہہ حیات سے بے دخل اور بے تعلق کردیا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مسلمانوں کو جو صحیح علم، حکیمانہ اور عادلانہ دستور زندگی اور انہیں کی زبان میں جو معجز کتاب عطا ہوئی تھی اس کی انہوں نے کوئی قدر نہ کی۔

اور اس کو چھوڑ کر دوسرے مذاہب و ادیان اور دوسرے فلسفوں و نظامہائے حیات سے رشتہ جوڑ لیا۔ ایک وہ زمانہ تھا جب مسلمان بغداد سے آدھی دنیا پر حکومت کرتے تھے۔ دنیا و آخرت دونوں کی سعادتوں سے بہرہ اندوز ہوتے تھے۔ اجسام و قلوب سب پر ان کی حکمرانی تھی لیکن جب مسلمانوں نے اسلام کی نعمتوں کو ٹھکرا دیا تو ذلت و خواری اور فلاکت و ادبار میں جا گرے۔

دراصل عذاب الٰہی کی وجہ وہ منافقانہ تضاد ہے جو اسلامی ممالک میں عمومیت کے ساتھ وہاں کے سربراہوں اور ذمہ داروں کے اقوال و افعال اور اسلام کے تعلیمات اور وہاں کی روزمرہ زندگی میں پایا جاتا ہے جس کو دور کئے بغیر نہ اسلام کی صحیح تصویر دنیا کے سامنے آسکتی ہے اور نہ یہ ممالک خطرہ سے نکل سکتے ہیں۔

خلیج کی تباہ کن، تاریک بھیانک اور لرزہ خیز جنگ سے یہ بات ایک بار پھر واضح ہو کر سامنے آگئی ہے کہ عالم اسلام مجموعی طور پر خود شناسی اور خود اعتمادی کی دولت سے محروم ہے اس وسیع اسلامی دنیا میں جو ملک آزاد ہیں وہ بھی ذہنی، فکری، سیاسی، علمی، اقتصادی اور فوجی حیثیت سے مغرب کے اسی طرح غلام ہیں جس طرح ایک ایسا پسماندہ ملک غلام ہوتا ہے جس نے غلامی ہی کے ماحول میں آنکھیں کھولیں اور ہوش سنبھالا ہو۔

لاریب بالعض اوقات اسلامی ملکوں کے سربراہ سیاسی میدان میں قابل تعریف اور بعض اوقات خطرناک حد جرأت و ہمت کی بات کرتے ہیں اور بعض اوقات مہم جوئی اور اپنی رعیت و ملک و قوم کی بازی تک لگا دینے سے باز نہیں آتے لیکن فکری، تہذیبی، تعلیمی اور خالص دینی نقطہ نظر سے ان سے اتنی بھی خود اعتمادی، انسانی ہمدردی، اخلاقی اقدار، قوم و ملت کے تحفظ، انتخاب کی آزادی اور دینی و ملی صلاحیت کا اظہار نہیں ہوتا جتنا کہ کسی ایک عاقل بالغ انسان سے اس کی توقع کی جاتی ہے۔

حالانکہ فلسفہ تاریخ کا یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ فکری، تہذیبی، اخلاقی اور تعلیمی غلامی، سیاسی اور فوجی غلامی سے زیادہ خطرناک عمیق اور مستحکم ہوتی ہے اس کی موجودگی میں ایک حقیقت پسند فاتح قوم کے نزدیک کسی بھی سیاسی غلامی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

بدقسمتی سے جو طبقہ اس وقت اسلام کی قسمت کا مالک بنا ہوا ہے وہ تمام تر مغرب کا نہ صرف خوشہ چین۔ بلکہ دایۂ مغرب کا شیرخوار بچہ ہے جس کا ذہنی گوشت پوست اسی کے دودھ اور اسی کے خون جگر سے تیار ہوا ہے اور اب اسی طبقہ نے پوری امت کو تباہی کے کنارے پہ لا کھڑا کیا ہے۔

اہل مغرب نے دور رہتے ہوئے بھی عرب اور اسلامی ملکوں کے گرد ایسا گھیرا ڈالا اور ایسے حالات پیدا کر دئے

کہ غلامی کے کہنہ اور فرسودہ طریقوں سے کہیں زیادہ یہ آزاد ملک، مغربی طاقتوں کے پنجۂ اقتدار میں گرفتار ہو گئے ہیں اور اب کی جو صورت حال ہے وہ اکبر مرحوم کے اس پرانے شعر کی ایک وسیع اور پر از حقیقت تشریح سامنے آرہی ہے کہ شاید خود شاعر کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی ؎

کس رہے ہیں اپنے منقاروں سے حلقہ جال کا
طائروں پر سحر ہے، صیّاد کے اقبال کا

موجودہ گھمبیر صورت حال اور حکمرانوں کے طرز عمل سے یقین ہونے لگتا ہے کہ یہ سربراہ مغربی طاقتوں کے (دانستہ یا نادانستہ) آلہ کار، ان کے تخریبی مقاصد میں ہم نوا بن گئے ہیں جو عالم اسلامی کی تباہی اور مسلمانوں کی ہلاکت و رسوائی کی راہ میں کوئی قابل ذکر مزاحمت نہیں کر سکتے۔

جہاں تک امریکہ اور اہل مغرب کا تعلق ہے وہ عالم اسلام کے بارے میں کبھی مخلص اور نیک نیت نہیں ہو سکتے۔ یہ اُس پچھلی تاریخ کا بھی تقاضا ہے جن پر صلیبی جنگوں کے گھنے سائے چھائے ہوئے ہیں۔ اور سلطنت عثمانیہ اور مغربی ممالک کی طویل اور خون ریز آویزش کی گہری چھاپ پڑی ہوئی ہے۔ یہ حقیقت کا بھی تقاضا ہے کہ صرف عالم اسلام ہی میں مغرب کے عالمگیر اقتدار کو چیلنج کرنے اور ایک ایسا نیا بلاک بننے کی صلاحیت پائی جاتی ہے جس کی بنیاد جداگانہ فلسفۂ زندگی اور عالمگیر دعوت پر ہو۔ یہ ان قدرتی وسائل اور ذخائر کی قدر و قیمت کے احساس کا بھی نتیجہ ہے جو عالم اسلام بالخصوص عالم عرب کے مختلف گوشوں میں بڑی افراط اور فراوانی کے ساتھ پائے جاتے ہیں اور جو مغرب کی صنعتی و تجارتی نیز سیاسی اقتدار کے لئے بڑی اہمیت اور بعض اوقات فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں۔

خلیج کا معاملہ اتنا سادہ ہرگز نہیں ہے کہ آپ آسانی سے کسی ایک جانب کی بات کر کے مطمئن ہو جائیں اس میں کسی مسلمان کے لئے واضح طور پر یک طرفہ پالیسی اختیار کرنا آسان نہیں، اہل اسلام کے لئے اس وقت سب سے اہم بات امت مسلمہ کا مفاد ہے۔

صورت حال بہت پیچیدہ ہے اور اس کی پیچیدگی بالخصوص مسلمان راہنماؤں سے بڑی سنجیدگی، ذمہ داری اور تدبر کا تقاضا کرتی ہے مگر بدقسمتی سے ہمارے ملک کے بعض طالع آزما سیاستدان خلیج کی جنگ کو کھینچ کر اپنے ملک کے کوچہ و بازار میں لے آنا چاہتے ہیں ـــــ یہی افسوسناک المیہ ہے کہ ہمارے ملک کے سیاسی زعماء، اپنے ملک میں قومی سطح پر خلیج کی جنگ برپا کرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ ہمارے ملک کے سیاسی زعماء کو کس طرح کا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے یہ جاننے کے لئے بقراط کی عقل ہرگز درکار نہیں۔

ملک کو ہر قیمت پر عدم استحکام اور انتشار کا شکار کرنا ہو تو دوسری بات ہے ورنہ یہ حالات موجودہ ہمارے

حالات احتجاج، مظاہروں، ہڑتالوں، جلوسوں ہڑبونگ کے متحمل نہیں، تدبر بالغ نظری اور خالص مسلمانی اور اسلامیت کے متقاضی ہیں۔

خلیج کی جنگ میں بھی مسلمانوں کا نقصان، اور مسلمان ملکوں میں محاذ بازی اور باہمی مناقشت و جدال بھی مسلمانوں ہی کا نقصان، اور اہل اسلام کے مشترکہ دشمن کا فائدہ ہے خدا کرے کہ ارباب سیاست خالص اسلامی طرز عمل کو سیاسی شعبدہ بازی پر ترجیح دے سکیں۔

خلیج میں مسئلہ جنگ کے کئی پہلو ہیں سیاسی، قومی، جغرافیائی اور اقتصادی، سب پہلوؤں کی اہمیت اپنی جگہ اہم ہے لیکن ہم نے تو بحیثیت مسلمان کے اسے عالم اسلام، مسلم امۃ، بیت المقدس حرمین الشریفین اور خالص اسلامی تعلیمات کے زاویہ سے دیکھا ہے جن حضرات کو عالمی سیاست بالخصوص مشرق وسطیٰ کی سیاست پر گہری نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ جب مشرق وسطیٰ میں صدر ناصر مرحوم اور ان کے نظریہ قومیت کا طوطی بول رہا تھا پاکستان میں بھی سیاسی و دینی زعماء اور اکابر علماء (جو زندگی بھر برطانوی سامراج سے برسرپیکار رہے اور یہ نفرت و عداوت ان کے دل و دماغ پر حاوی رہی) پر صدر ناصر کی عقیدت و محبت پوری طرح غالب ہو گئی تھی جو کبھی کبھی ایسے غلو کی صورت اختیار کر جاتی جس طرح تحریک خلافت کے دوران ہندوستان کے بہت سے مخلص ترین بزرگ ترکی کے مصطفےٰ کمال کی محبت میں گرفتار ہو گئے تھے۔ گو ان ہر دو یا نوں کا اصل محرک بھی انگریز دشمنی ہی ہوتا ہے مگر غلو محبت میں کسی آئیڈیل اور محبوب شخصیت کے اکثر خد و خال اوجھل ہو جاتے ہیں اور صرف محاسن ہی محاسن پر نظر رہتی ہے اور بدقسمتی سے رشتۂ اعتدال ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ ادھر نفرت کے معاملے میں صرف معائب پر نظر ہوتی ہے اور اس کے دوسری جانب صرف محاسن پر ـــــــ کچھ ایسی ہی صورت حال صدر صدام حسین، ان کی کویت پر جارحیت، نتیجہ میں امریکی اور یورپی اقوام کی بہیمیت و سفاکی، عراق میں حکومتی بعث پارٹی، اس کے نظریات و منشور اور عالم اسلام کے ساتھ ان کے رویے و سلوک اور اس کے جائزے و تبصرے میں ہماری رائے میں درست موقف "اعتدال کی راہ" ہے غلو و مبالغہ اور بے جا جذبات کا علم و اخلاق اور حقائق سے کوئی تعلق نہیں۔

وہ دن عربوں کی تاریخ کا بڑا منحوس دن تھا جب مشرق وسطیٰ اور خاص طور پر حرمین شریفین میں ترکوں کے خلاف بغاوت کی سرخ آندھی چلی تھی اگر عربوں کی تاریخ کبھی صداقت اور دیانت کے ساتھ لکھی جائے گی تو یہ لکھا جائے گا کہ عربوں کی تاریخ کا سب سے تاریک دن یا منحوس گھڑی وہ تھی جب خود عربوں نے خلافت اسلامیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ اس مہلک غلطی کے بعد خلیجی ممالک، عالم اسلام بالخصوص عربوں کے لئے تاریخ کا بدترین دن وہ تھا جب صدر صدام حسین اپنے پڑوسی اور محسن ملک پر چڑھ دوڑا اور اس طرح یہودیوں کے لئے عالم اسلام پر یلغار کی راہ

ہموار کردی ـــ بہر حال اس زمانہ میں ایک چھوٹی سی جماعت عربوں کے رجحان کے خلاف تھی جس کی نگاہ دوربین تھی، ان کا تاریخی مطالعہ وسیع اور عمیق تھا وہ جانتے تھے کہ اس زمانہ میں عربوں کی مخالفت کرنا ـــ اپنے کو خطرے میں ڈالنا تھا بے عزتی اور یہاں تک کہ بعض اوقات ہلاکت کا سامان مہیا کرنا تھا مگر اس جماعت کا عقیدہ تھا کہ عرب اس اقدام سے خودکشی کا ارادہ کر رہے ہیں وہ خلیفۃ المسلمین کے خلاف بغاوت کر کے اپنے سب سے بڑے دشمن انگریز کے آلۂ کار بن گئے ہیں۔ اس چھوٹی سی جماعت میں جو لوگ بہت نمایاں تھے ان میں امیر شکیب ارسلان اور مفتی امین الحسینی کو امتیازی مقام حاصل تھا۔

اس "فئة قليلة" نے اس زمانہ میں ایک ایسی حکومت، دعوت اور تحریک کے خلاف محاذ کھول دیا جو عصر حاضر کی ان تمام طاقتوں سے مسلح تھی جو کسی بڑی حکومت وسیع ملک اور شاطر قیادت کو حاصل ہوتی ہیں کہاں مصر کا سحر سامری اور دبدبۂ فرعونی، جس کے جلو میں صحافیوں، ادیبوں، خطیبوں، مصنفین اور اہل قلم کا لشکر اور ذرائع ابلاغ کے زبردست مراکز تھے جنہوں نے اچھی اچھی مخالف عرب حکومتوں کے چھکے چھڑا دئے تھے اور کہاں محدود تعداد میں چند اہل بصیرت کی نحیف و نزار آواز ـــ مگر بہت جلد اسلام پسند معتدل المزاج اور حقیقت بین حلقوں میں جو مصر کی اس "خانہ بر انداز" تحریک سے بے چینی محسوس کر رہے تھے لیکن کھل کر اپنی بیزاری کا اظہار اور مصری قیادت پر تنقید نہیں کر سکتے تھے مقبولیت حاصل کر لی اور انہوں نے ان حضرات کو نہ صرف یہ کہ اپنے خیالات کا ترجمان بلکہ اپنے زخموں کا مرہم اور اپنے درد کا دوا سمجھا۔

یہ تفصیل اور پس منظر کے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح ۵۲ء میں مصر کی زمام اختیار و قیادت صدر ناصر مرحوم کے ہاتھ میں آئی اور قومیت عربیہ کی وہ تیز و تند آندھی اٹھی جو عرب نوجوانوں بلکہ پختہ کار عربوں کی بھی ایک بڑی تعداد کو اڑا لے گئی۔ بڑے بڑے تناور درخت اور علم و ادب کے کوہ پیکر شخصیتیں اس طوفان میں پتہ کی طرح اڑتی اور اس سیلاب میں تنکے کی طرح بہتی نظر آتی تھیں۔ آج بھی قومی سیاست اور ملکی صحافت کا مزاج ایسا ہی بگڑا ہوا ہے کہ جو لوگ اس فتنۂ عالم آشوب سے متاثر نہیں ہیں جن کی نظر اصل حقائق پر ہے اور جو متحارب قیادت پر (خواہ وہ سعودی حکومت کا امریکی فوج کو بلانے کا اقدام ہو یا عراقی قیادت کی کویت پر جارحیت ہو جو اس تمام تر کھیل کا اصل کھلاڑی ہے) پر جائز اور اصولی تنقید کرنا چاہتے ہیں یا اصل محرکات اور حقیقی چہروں کو بے نقاب کرنا چاہتے ہیں۔ آگ لگانے والے ہاتھ کی نشاندہی کرتے ہیں، پس منظر اور محرکات کی بحث چھیڑتے ہیں اور آگ بجھا سکنے والے کا نام بتاتے ہیں۔ تو وہ ان غضب ناک نوجوانوں کا نشانہ بنا دئے جاتے ہیں۔ جو چلتی ہوا اور بہتے دھارے کا ساتھ دینے کے مردود فلسفہ پر ایمان لا چکے ہیں۔ اور جن پر محض نعرہ بازی اور اشتعالی و پُرکشش جذباتی تقریروں کا نشہ چڑھا دیا گیا ہے

مگر جب آنکھیں کھلیں گی حقائق سامنے آئیں گے تب پتہ چلے گا کہ ع

افرسٌ تحت رجلك ام حمار

"تاہم یاد رہے کہ اپنے گناہ کا اعتراف، اپنے جرم و بغاوت سے توبہ اور علی الاعلان جارحیت سے ندامت کا اعلان ہی رحمت و نجات اور نصرت پروردگار کا ذریعہ بنتے ہیں اور اس کی توقع بھی کسی مرد ظالم و فاسق سے نہیں صرف مرد مومن ہی سے کی جا سکتی ہے۔ ولاتهنوا ولاتحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين ٥

اس وقت امت مسلمہ جن حالات سے گذر رہی ہے پورے عالم اسلام کے حالات خواہ وہ بیت المقدس کا مسئلہ ہو یا کویت یا خلیج کا تحفظ حرمین شریفین کا معاملہ ہو یا دیگر اسلامی ممالک، اور ہندوستان پاکستان کا، ان سب کا حل اسی میں ہے کہ ہم اپنے حالات میں تغیر پیدا کریں، اپنی کوتاہیوں، اسلامی تعلیمات سے انحراف و دوری کا جائزہ لیں اور اپنے کو بدلنے کا بھی ارادہ کریں کہ اپنے میں تبدیلی لانے کا ارادہ اور فیصلہ بھی بذات خود ایک تاثیر رکھتا ہے جہاں خرد و ہوشمندی اور حکمت و دانائی کے ساتھ تدابیر اور وسائل کا اپنانا ضروری ہے وہیں دعا و انابت کی شدید ضرورت ہے کہ دعا و انابت، توبہ و استغفار ہی مومن کا وہ ہتھیار ہے جس کا نشانہ خطا نہیں جاتا اور وہ رحمت خداوندی کو متوجہ کر لیتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے، ہمارے گناہوں، نافرمانیوں، خدا اور رسولؐ کے حکموں کو توڑنے اور اسلامی تعلیمات سے منہ موڑنے کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ ہم نے غلطی کی ہے ہم سے بہت سی کوتاہیاں ہوئی ہیں جنہوں نے غضب خداوندی کو بھڑکا دیا ہے۔ ہم ہزار گنہگار سہی لیکن اس کے باوجود اپنا خالق و مالک، حاجت روا اور کارساز ملجا و ماوی، ذات باری ہی کو سمجھتے ہیں اور گاڑھے وقتوں میں اسی کو پکارتے ہیں، اسی سے کہتے ہیں:۔

ربنا لا تواخذنا ان نسينا او اخطانا، ربنا ولا تحمل علينا اصراً كما حملته على الذين من قبلنا، ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به، واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا على القوم الكافرين ٥

"اے ہمارے پروردگار! ہم کو نہ پکڑ اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں، اے ہمارے پروردگار نہ رکھ ہم پر بوجھ جیسے تو نے اُن لوگوں پر رکھا جو ہم سے پہلے تھے۔ اور مت اٹھوا ہم سے وہ جس کی ہمیں طاقت نہیں، اور معاف کر ہمیں اور بخش اور رحم کر ہم پر ــــ تو ہمارا سہارا ہے ہماری مدد کر نہ ماننے والوں پر۔"

ربنا لا تجعلنا فتنة للذين كفروا واغفر لنا. ربنا انك انت العزيز الحكيم

"اے ہمارے آقا! ہمیں منکروں کے لئے فتنہ نہ بنا دے اور اے ہمارے رب! ہمارے قصوروں سے درگذر فرما۔ بیشک تو ہی زبردست اور دانا ہے۔"

مچھلی کے پیٹ اور سمندر کی سطح میں پہنچ جانے کے بعد کون بچا سکتا ہے لیکن جب حضرت یونس علیہ السلام نے دعا کی:۔

"(اے مولا) تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے اور بیشک میں قصوروار ہوں۔"

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مچھلی کے پیٹ اور سمندر کی تہ سے باہر نکال دیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے جن الفاظ میں دعا کی وہ یہ تھے:۔

لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظٰلمین۔

ترمذی شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ جو مصیبت زدہ بھی یہ دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرے گا۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا اللہ کے رسولؐ یہ دعا حضرت یونس علیہ السلام کے لئے خاص تھی یا عام مسلمانوں کے لئے ہے؟ آپؐ نے فرمایا تم نے اس آیت پر غور نہیں کیا۔

ونجینٰہ من الغم وکذلک ننجی المومنین۔

"ہم نے اسے غم سے نجات دی (دیکھو) اسی طرح ہم ایمان والوں کو نجات دیتے ہیں۔"

کیوں نہ ہم بھی اس دعا کا اہتمام کریں اور گناہوں سے پرہیز اپنا شعار بنائیں ـــــ جو آقا ہم سے ناراض اور خفا ہے وہی خود کہتا ہے کہ مجھ سے مانگو میں دوں گا۔ توبہ کرو۔ توبہ قبول کروں گا۔ ہمارا آقا رحیم ہے، کریم ہے، غفور ہے، عفوّ ہے لہٰذا ہم کتنے ہی گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہوں۔ اپنے اندر تبدیلی لائیں۔ دامن توبہ تھام لیں۔ رحیم کی رحمتوں سے مایوس نہ ہوں کہ:۔

انہ لا یئیس من رحمۃ ربہ الا الضالون ہ

لہٰذا ہم جس حال میں بھی ہیں اپنے رب سے لو لگائیں۔ گناہوں سے توبہ کریں، اسی کے سامنے اپنا سر نیاز جھکائیں۔ راتوں کی تنہائی میں اس کے سامنے روئیں اور گڑگڑائیں، اپنی پیشانی اس کے در پر رگڑیں وہ ہماری سنے گا وہ ہمارے دلوں کو ہدایت سے معمور بھی فرمائے گا، اور مصائب خطرات کے بادل بھی چھانٹ دے گا۔ ہمارے بگڑے ہوئے ماحول و معاشرہ کو بھی بدل دے گا اس ایک در کے سوا کوئی اور در نہیں، جہاں سے کچھ ملے، یا مانگا جا سکے وہ رب کریم ہر زبان کو سمجھتا ہے ہم جس زبان میں بھی اپنے ٹوٹے ہوئے دل، تھرتھراتے ہوئے ہونٹوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ مانگیں گے اور کہیں گے

تیرا شیوہ کرم ہے اور میری عادت گدائی کی
نہ ٹوٹے آس اے مولا تیرے در کے فقیروں کی